Afkar-e-Taza (Journal of Iqbal Chair), USKT
ISSN:
2023, Vol. 1, No. 1
Page: 33-41

علامہ اقبال کی فکری آفاقیت

(Intellectual Universality of Allama Iqbal)

Dr. Asim Shujah Saqlain[1], Assistant Professor, Govt. Sadiq College, Bahawalpur.
Alia Majeed[2], Lecturer, Govt. Sadiq College Women University, Bahawalpur.

Abstract:
Sometimes Allama Iqbal is criticized on the ground that his thoughts lack universality, since the grip of religious theories and convictions is very strong in him. Although the thorough study of Iqbal's poetry proves that Islamic philosophy is of the foremost importance in the making of Iqbal's ideology. Whereas, in his poetry there are certain points, which lift him up to the global level. In the second era of his poetry (up to 1908) Iqbal's numerous visions are of universal appeal. The central point of his poetry after 1908 is indeed the religion of Islam, yet in every era Iqbal's poetry has encompassed such everlasting truths which cannot be associated to any specific sect, religion or civilization. Iqbal always had the foresight which enabled him to be regarded as a poet of universal level. This is why Iqbal's poetry is catalogued in the great literature of the world that aims to obtain the humane greatness. In this research article those points of Iqbal's poetry would be shortly discussed which proves him a universal thinker and a global scholar.

Key Words: *Iqbal, Poetry, Universal level, Global Scholar, Islam, Thought*

دنیا کے تما م مسلمان مجموعی طور پر بہ ایمان کامل اس عقیدے کے پیرو ہیں کہ اسلام ایک آفاقی اورعالمگیرمذہب ہے، ہمارا ماننا ہے کہ وہ تمام سچائیاں اورنظریاتی حقائق جو بذریعہ دین و مذہب ہم تک پہنچے ہیں در اصل آفاقی حیثیت کے حامل ہیں کیونکہ ان کے مآخذات وحی و الہام کے وہ ماورائی ذرائع ہیں جن سے سرِ مو انحراف یا انکار ممکن نہیں۔ اس لیے بذریعہ مذہبِ اسلام علم میں آنے والی تمام تر مذہبی باتوں پر یقینِ کامل ہمارے ایمان کا جزوِ لازم ہے۔ چونکہ علامہ اقبال رحمت اللہ علیہ اپنی شاعری میں ان تمام مذہبی حقائق سے پردہ ہٹاتے ہیں اور ہر مسلمان کو ان حقائق کے زیرِ سایہ ترتیب پانے والے نظر یات کا تابع کرنے کی خواہش رکھتے ہیں اس لیے اقبال کے بارے میں بہ و ثوق یہ کہا جا تاہے کہ وہ ایک اسلامی مفکر اور مذہبی مبلّغ ہیں۔

یوں اگر کسی مفکر یاشاعر کے بارے میں یہ ثابت کر دیا جا ئے کہ وہ اسلامی نظر یات کا علم بردار ہے تو مسلمانانِ عا لم کی نظر میں یا ایک مخصوص زاویۂ نظر سے آفاقی شاعر ضرور مانا جائے گالیکن دیگر تمام مذاہب اور نظر یات کے ماننے والے اسے عالمگیر حیثیث دینے سے انکار کر یں گے۔ یہی سبب ہے کہ جہاں علامہ اقبال کی ذات اور ان کی ادبی حیثیت بر صغیر کے ہر اسلام دوست کی ممدوح رہی ہے وہیں غیر از اسلام طبقات کو رشک و تحسین کی نگاہ سے والہانہ دیکھنے والے اغیار دوست ہمیشہ علامہ اقبال پر کئی اعتراضات بھی کر تے ہیں۔ وہ اعتراضات اگر چہ طویل ہیں لیکن ان میں شامل تین اہم نکات یہ ہیں:

اوّل: علامہ اقبال محض ایک اسلامی مفکر ہیں۔

دوم: کلامِ اقبال محض اسلامی نظر یات تک محدود ہے کیو نکہ اقبال کی فکری سر حدیں دائرہ اسلام کے محیط سے باہر نہیں نکل پا ئیں۔

سوم: علامہ اقبال آدمی کو گھما پھرا کر اسلامی نظر یات کا پر ستار اور مغرب سے نفرت کر نے والا بنانا چاہتے ہیں یوں اقبال کے نظریات قدامت پسندی کی طرف مائل اور زمانۂ جدید سے متصادم ہیں۔

ان اعتراضات کی ابتدا اس نکتہ سے ہوتی ہے کہ علامہ اقبال محض ایک اسلامی مفکر ہیں یعنی ان کا دیگر مذاہب کے لوگوں یابہ الفاظ دیگر انسان اور انسانی فلاح کے نظر یات یا اُن تصورات سے کو ئی تعلق نہیں جو عالمگیریت کے حامل ہیں۔ لفظ عالمگیریت کے ادبی نظریےکوہم آسان ترین لفظوں میں یوں بیان کر سکتے ہیں کہ وہ تمام افکار و تصورات جو ہر جگہ اور ہر وقت سچ ثابت ہوں عالمگیریت کے حامل مانے جاتے ہیں۔ یوں اقبال کے معترضین کا خیال ہے کہ اقبال کی فکرمحض دائرہِ اسلام تک محدود ہے اور ان کے اشعار کا مخاطَب صرف مسلمان ہیں اِس لیے اسے آفاقیت کی سند حاصل نہیں۔ کلامِ قبال میں مو جودمتعدد اشعار یہ ثابت کرتے ہیں کہ علامہ اقبال صرف مسلمانوں ہی کی نہیں بلکہ انسان اور انسانیت کی بھلائی کے خواہاں ہیں۔

ڈاکٹر تحسین فراقی رقم طراز ہیں:

> “اقبال کی حیثیت ایسے مردِ آفاقی کی ہے جو رنگ، نسل، زبان اور جغرافیائی حدود و قیود سے ماورا ہے۔ اس مردِ عرفان کا کام دیدن اور افزودن ہے۔”[۱]

اس میں کیا شک ہے کہ انسان سے محبت کا یہ نظریہ نہ صرف یہ کہ دنیا کے ہر مذہب کی بنیاد رہا ہے بلکہ تمام مذاہب کا کفر کرنے والے لوگ بھی انسان کی حیثیت کو مسلّمہ مانتے ہوئے خود کواس نظریے کے پیروکار ضرور مانتے ہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ انسان سے محبت اور انسان کی قدر و منزلت کا نظریہ وہ مرکزی نقطہ ہے جس پردِین اور لادینیت ہم خیال ہو جاتے ہیں۔ اسی اشتراک کی بنا پرکسی مذہب پر یقین نہ رکھنے والے لوگ انسان سے محبت کے نظریہ کو سب سے بڑی آفاقی سچائی کی حیثیت دیتے ہیں اور اسی نظریے کےتحت تخلیق کیے گئے ادب کو آفاقیت و عالمگیریت کی سند دینے پر راضی ہوتے ہیں۔ کلامِ اقبال کا دامن ہمیں اس پہلوسےبھی خالی ہرگزنظر نہیں آتابلکہ یوں کہنا بھی بالکل بے جا نہ ہوگا کہ انسان اور انسانیت کی فلاح اقبال کے کلام کے بنیادی مقاصد میں سے ایک ہے۔ اس سلسلہ میں نظم“تصویرِ درد”کے چند اشعار ملاحظہ ہوں جن میں علامہ نے دعویٰ کیا ہے کہ انسان کی فلاح اور انسانیت کی محبت ہی وہ نکتہ ہے جس میں تمام قوموں کی شفا کا راز پنہاں ہے اور یہی وہ شراب ہے جو انہیں بےجام و سبو بھی مست رکھتی ہے:

جو تو سمجھے تو آزادی ہے پوشیدہ محبت میں
غلامی ہے اسیرِ امتیازِ ما و تو رہنا
شرابِ روح پرور ہے محبت نوعِ انساں کی
سکھایا اس نے مجھ کو مستِ بے جامِ و سبو رہنا
محبت ہی سے پائی ہے شفا بیمار قوموں نے
کیا ہے اپنے بختِ خفتہ کو بیدار قوموں نے [۲]

“بانگ درا ”میں موجوداقبال کی شاعری کے ابتدائی دور کی نظموں میں انسان کی فلاح کے اس عظیم تصور کے حوالے سے بیسیوں اشعارا یسے ہیں جنہیں اسی آفاقی نظریے اور اسی عالم گیر تصور کا حامل کہا جا سکتاہے۔

نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں
کوئی بُرا نہیں قدرت کے کارخانے میں [۳]

****

ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے

آتے ہیں جو کام دوسروں کے [۴]

یا پھر ترقی پسندانہ فکر کا حامل یہ شعرملاحظہ ہو جواردو میں ترقی پسند تحریک کی آمد سے کم وبیش تیس برس پہلے کہا گیا۔

ہو مرا کام غریبوں کی حمایت کرنا
درد مندوں سے ضعیفوں سے محبت کرنا [۵]

علامہ اقبال کے بہت سے اچھے بلکہ بڑے اشعار کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ انہیں بناسمجھے یا بغیر سمجھائے لوگوں کورٹادیا گیا ہے اور یوں ان کی معنوی قدر اُس شے کی طرح دھند لا گئی جو آنکھوں کے بہت قریب کر دی جائے مگریہ ایک الگ مسئلہ ہے۔ اقبال نے اپنے ابتدائی دور میں انسان کی درستی و اصلاح کا فریضہ شاعری ہی کے ذریعے اداکر نے کا بیڑہ اٹھایا۔ برہمن سے مخاطب اقبال کا ایک شعر ملاحظہ ہو:

شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے [٦]

پریت، محبت اور عشق کا یہ درس جو دنیا کی ہر زبان کی شاعری میں موجود سب بڑا اور آفاقی سبق سمجھاجاتاہے، علامہ کی شاعری ابتدائی ادوار میں نہایت قوت کے ساتھ موجود ہے۔ محبت ویگانگت کا یہ عالمی نظریہ اقبال کو نہ صرف مرغوب رہا بلکہ اقبالؒ ہمیشہ اس کے داعی اور عَلم بردار رہے۔ نظم "محبت" کا ایک مقتبس ملاحظہ ہوجس میں علامہ نے فطرت کے سارےحسن کو محبت کے ایک جذبے کا مرکب بنانے کے لیے یک جا کر دیا ہے۔ بھلا محبت کی اس تشریح و توضیح کا انکار کیسے ممکن ہے :

چمک تاروں سے مانگی ، چاند سے داغِ جگر مانگا
اُڑائی تیرگی تھوڑی سی شب کی زلفِ برہم سے
تڑپ بجلی سے پائی ، حور سے پاکیزگی پائی
حرارت لی نفَس ہائے مسیحِ ابنِ مریم سے
ذرا سی پھر ربوبیت سے شانِ بے نیازی لی
ملک سے عاجزی ، اُفتادگی تقدیرِ شبنم سے [۷]
پھر ان اجزا کو گھولا چشمۂ حیواں کے پانی میں
مرکب نے محبت نام پایا عرشِ اعظم سے

محبت کے اس تصور کے علاوہ رومانوی احساسات اور فطرت پسندی کے کئی پہلو بھی اقبال کی شاعری سے عیاں ہیں۔ لالہ وگل، پھول، پتیاں، سبزہ، آب جُو، دریا، سمندر، بجلی، بارش، چرند پرند، کوئل، کبوتر، کنجشک، عقاب اورشاہین وغیرہ کا ذکرقدرتی عناصر سے اقبالؒ کی محبت کا غماز ہے۔ غور کیا جائے تو علامہ کی شاعری میں علامات کی حیثیت رکھنے والی کئی چیزیں دراصل فطرت سے اقبال کی فطری رغبت کا بیّن ثبوت ہیں۔ ایسی چیزیں کسی یورپی یا امریکی شاعر کے ہاں موجود ہوں توناقدینِ ادب کو ان سے رومان جھلکتا صاف نظرآتاہےمگرکس طرح اقبالؒ کےہاں انہی چیزوں کوبھی متعصبانہ نظرسےدیکھ کر اغماض کرلیاجاتاہے۔ "ایک آرزو"کے چند اشعار ملاحظہ ہوں جو اردو نظم کی ساری رومانوی فضا کے لیے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ہو ہاتھ کا سرہانا ، سبزے کا ہو بچھونا

شرمائے جس سے جلوت ، خلوت میں وہ ادا ہو
صف باندھے دونوں جانب بوٹے ہرے ہرے ہوں
ندی کا صاف پانی تصویر لے رہا ہو
پانی کو چُھو رہی ہو جُھک جُھک کے گل کی ٹہنی [۸]
جیسے حسین کوئی آئینہ دیکھتا ہو
میں اس کا ہم نوا ہوں،وہ میری ہم نوا ہو

یہ رومانوی فضا اور دل کو چھو لینے والے ان مناظرکے بیان کی وارفتگی محض اقبال کے اولین دور ہی میں شامل نہیں بلکہ ان کے ہر دور کے کلام میں جلوہ گر ہے۔ اسی طرح کے تمام تصورات جس شاعری کا حصہ بنتے ہیں اسے“بہاریہ شاعری” سے موسوم کیا جاتا ہے۔ دنیا میں شاید ہی کوئی زبان ایسی ہو جس میں بہاریہ شاعری یا اس کا کوئی رنگ موجود نہ ہو۔ بہاریہ شاعری کو بہ آسانی آفاقی و عالمگیر حیثیت کے حامل ادب کاحصہ مانا جا سکتا ہے۔ علامہ اقبال کوبہار کا موسم ہمیشہ مرغوب رہا اور وہ ہمیشہ اس کے ہمیشہ قصیدہ خواں رہے۔ انہوں نے اپنی فارسی شاعری میں بھی اس موسم کا ذکر جگہ جگہ کیا۔ پیامِ مشرق کی نظم “فصلِ بہار” میں انہوں نے اس نشاط انگیز اور سرور آمیز موسم کی مدح سرائی کی ہے:

خیز کہ در باغ و راغ قافلۂ گل رسید
بادِ بہاراں وزید
مرغ نوا آفرید
لالہ گریباں درید
حسن گلِ تازہ چید
عشق غمِ نو خرید
خیز کہ در باغ و راغ قافلۂ گل رسید [۹]

اقبال نے“بانگِ درا”کےآخری حصہ کی نظم“شیکسپیئر”میں انگریزی ادب کی اس عظیم ترین شخصیت کوخراجِ تحسین پیش کیا ہے۔اول توکسی انگریزی شاعر کے لیے یہ خراجِ تحسین بذاتِ خود بھی اقبال کے غیر متعصب ہونے کی دلیل ہے دوم اس نظم کے ابتدائی تین اشعار اور ان میں موجود رومانوی فضا اقبال کے ایسے رومانوی احساسات کی ترجمان ہے جنہیں سہولت کے ساتھ عالمگیریت کی سند دی جا سکتی ہے۔ اشعارملاحظہ ہوں:

شفقِ صبح کو دریا کا خرام آئینہ
نغمۂ شام کو خاموشئ شام آئینہ
برگِ گل آئینۂ عارضِ زیبائے بہار
شاہدِ مے کے لیے حجلۂ جام آئینہ
حسن آئینۂ حق اور دل آئینۂ حسن
دلِ انساں کو ترا حسنِ کلام آئینہ [۱۰]

اقبالؒ کی معروف نظم“والدہ مرحومہ کی یادمیں”کے تمام مرکزی و ذیلی موضوعات مکمل طور پر آفاقی نوعیت کے حامل، زندگی اورموت کا رشتہ،ماں سےمحبت، ماں کی خدمت کرنےکاجذبہ اورنہ کرپانےکی حسرت اور ماں کے لیے دعائیہ جذبات سبھی وہ عالمگیر احساسات

ہیں جن سے دنیا کے ہر فردکی بلا تخصیص شناسائی ہے۔ اس نظم میں موجود تمام افکار کو دنیا کے ہر معاشرے اور ہر تہذیب کا فرد اپنے دلی احساسات مان سکتا ہے:

کس کو اب ہوگا وطن میں آہ! میرا انتظار
کون میرا خط نہ آنے پر رہے گا بے قرار
خاکِ مرقد پر تری لے کر یہ فریاد آؤں گا
اب دعائے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا [۱۱]

اسی نظم میں زندگی اور موت کے یہ تصورات کتنے اٹل ہیں:

کلبۂ افلاس میں ، دولت کے کاشانے میں موت
دشت و در میں ، شہر میں ، گلشن میں ، ویرانے میں موت
نے مجالِ شکوہ ہے ، نے طاقتِ گفتار ہے [۱۲]
زندگانی کیا ہے اک طوقِ گلو افشار ہے

ان تمام رومانوی افکار کے ساتھ ساتھ جو فکر شعرِ اقبال کو صحیح معنوں میں وقار بخشتی اور اس کے مقام کو انتہائی بلندیوں سے ہم کنار کرتی ہے وہ قوت و عمل اور محنت و حرکت کا ایسا درس ہے جس کی بنا پر اقبال کو محض مسلمان کا نہیں بلکہ عالمِ انسانی کا سچا مبلغ اور انسان کو عزت و عظمت کا درس دینے والاکامل مدرس کہا جا سکتاہے۔

اقبالؒ کی فکر کا بنیادی اور مرکزی نکتہ حرکت و عمل کا وہ پیامِ سرمدی ہے جس کی بنا پرکو ئی فرد عام لوگوں سے ممیز و ممتاز زندگی گزار تا ہے۔ اقبالؒ کے تسخیرِعالم کے لیے تحرک اور قوت کے شعار کو ضروری قراردیا۔ انہوں نے علم و عمل کے زریں اصولوں کو کام میں لاکر دنیا کو فتح کرنے کا وہ لازوال سبق پڑھایا جو کسی ایک قوم یا ایک مذہب کے لوگوں کی ذاتی ملکیت نہیں بلکہ تمام ا قوامِ عالم اور پوری نوعِ بشر کے لیے بیش بہا اثاثہ ہے۔ اقبالؒ کاخیال ہے کہ ایک باعمل اورمتحرک آدمی کاآنے والا کلؔ اُس کے آج سے بہر صورت بہتر ہوتا ہے۔ اگر ایسا نہیں تو پھر اُس کی زندگی میں وہ شرار ناپید ہے جس کی بنا پر اسے زندہ لوگوں میں شمار کیا جائے۔

دما دم نقش ہائے تازہ ریزد
بیک صورت قرارِ زندگی نیست
اگر امروزِ تو تصویرِ دوش است
بخاکِ تو شرارِ زندگی نیست [۱۳]

علامہ نے اس تحرک وعمل کے لیے عشق کو لازم قرار دیا ہے۔ ان کے ہاں عشق وہ طاقت اور جذبہ ہے جو زندگی میں سوزو ساز اور حرارتِ عمل کا باعث ہے یہی وہ قوت ہے جو زندگی کو جستجو اور آرزو سے متصف کرتی اور انسان کو بحیثیت مخلوقِ اشرف جینے کےگرسکھاتی ہے۔ اسی عشق میں وہ قوت بھی پوشیدہ ہےجوخاکی نہادآدم کی کایا پلٹ کر اس کی ازسرِ نوتعمیرکرسکتی ہے۔

بیا اے کشتِ ما اے حاصلِ ما
بیا اے عشق! اے رمزِ دلِ ما
کہن گشتند ایں خاکی نہاداں
دگر آدم بِنا کن از گلِ ما [۱۴]

اسی عشق کو امید و ایقان کے ساتھ کام میں لا کر اقبالؒ ابنِ آدم کو خواہش و آرزو کے میدان میں کوشش جاری رکھنے کا حکم دیتے ہیں۔

در طلب کوش و مده دامنِ امید ز دست
دولتے ہست کہ یابی سرِ راہے گاہے [۱۵]

میدان طلب میں کوشش کرتے رہنے اور امید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنے کے اس پیغام کو دنیا کا کوئی زرخیز ذہن کسی خاص مذہب کے لیے مخصوص پیغام نہیں مان سکتا۔ زندگی کی اصلاح و فلاح کے لیے علامہ نے محکم یقین، پیہم عمل اور عالم کو فتح کر لینے والی محبت کو لازمی سامان قرار دیا ہے۔ تعصب کی عینک اُتار کر دیکھا جائے تو یہ پیغام بھی محض کسی خاص مذہب یا خاص تہذیب ہی کے لیے نہیں بلکہ انسان اور انسانیت کی اس فلاح کے لیے ہے جسے دنیا کے تمام تر عظیم ادب کا جزوِ لازم مانا گیا ہے۔ اقبال کا مطمحِ نظر بھی یقینی طور پر مجموعی زندگی کی بھلائی اور طرزِ زندگی کی اصلاح رہا۔ کیااُن اشعار کے مرکزی خیال سے دنیا کا کوئی آفاقی نظریہ متصادم ہے؟

زندگی قطرے کی سکھلاتی ہے اسرارِ حیات
یہ کبھی گوہر ، کبھی شبنم ، کبھی آنسو ہوا
پھر کہیں سے اس کو پیدا کر بڑی دولت ہے یہ [۱٦]
زندگی کسی جو دل بیگانۂ پہلو ہوا

زندگی اور انسان کی اصلاح کا یہ پہلو کلام اقبال کی وہ اساس ہے جس پر انسانیت، سچائی، امن، محبت اور مساوات کی دیواریں اقبالؒ کی فکری عمارت کو مضبوط کر رہی ہیں۔ تحرک، عمل اور جدوجہد اقبال کی نظر میں وہ بنیادی جذبے ہیں جن کے سبب سے مغرب کی تمام تر تر قی عمل میں آئی ہے۔

ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

> ”مغرب میں فکر اقبال کی مقبولیت کا باعث ان کا پیغامِ سعی و عمل بھی ہے اور انسانیت کی عظیم اقدارکی اہمیت کاازسرِنواحساس کرانا، اس کی وجہ مشرق کی مخصوص ما بعدالطبیعات کی پر اَسرارکشش بھی ہوسکتی ہےحتیٰ کہ مغرب کےدانش وحکمت کے تضادات اُجاگر کرنے کےساتھ ساتھ ان کےمخصوص طرزِزیست اورنظامِ معیشت پرشدیدتنقید بھی۔“[۱۷]

یہ ضرور ہے کہ اقبالؒ کو مغرب کے جمہوری نظام میں کئی خرابیاں نظر آتی تھیں اور انہوں نے واشگاف لفظوں میں کبھی اس نظام کو ملوکیت کا پردہ کہا تو کبھی آزادی کی نیلم پری کے بھیس میں دیواستبداد کہہ کر رد کیا۔ شاید اسی بنا پر یہ سمجھ لیا گیا کہ اقبالؒ مغربی جمہوریت کے نہیں بلکہ بحیثیتِ مجموعی مغرب ہی کے مخالف ہیں حالاں کہ ایسا بالکل نہیں ہے اور کلامِ اقبال میں مغرب کے تحرک و عمل کو ان کا حقیقی کرشمہ مانا گیا ہے۔ یورپ کی سائنسی اور عملی ترقی کو اقبالؒ نے ہمیشہ تحسین و آفرین کی نگاہ سے دیکھا اورہمیشہ اسی علمی اور عملی روش کو اختیار کرنے کا درس دیا۔ اُن کے ہاں مغرب سے نفرت کا نہیں بلکہ مغرب کی ہر کمی و کوتاہی کی اصلاح اور ہر اچھائی کی تعریف کا رویہ نظر آتا ہے۔ اقبال مغرب کی تعقل پسندی اور شعارِ محنت کے ہمیشہ قصیدہ خواں رہے بلکہ اسی بنا پر برصغیر کے باشندوں کو جستجو وعمل کی تحریک دیتے رہے۔ علامہ سمجھتے تھے کہ مغرب کی مادی ترقی ان کی نام نہاد آزادی ئ فکر اور آزادی ئمعاشرت کی دین نہیں بلکہ یہ ترقی ان افکار و اعمال کا اثر ہے جن کی وجہ سے ان کی پوری معاشرت حرکت و عمل کا مرقع ہے۔

قوتِ مغرب نہ از چنگ و رُباب

نی ز رقصِ دخترانِ بے حجاب
نی ز سحرِ ساحرانِ لالہ رُوست
نی ز عریاں ساق و نی از قطعِ مُوست
محکمی او را نہ از لادینی است
نے فروغش از خطِ لاطینی است
قوتِ افرنگ از علم و فن است
از ہمیں آتش چراغش روشن است [۱۸]

اس حوالے سے افکارِ اقبال کی مکمل تفہیم کے لیے اُن کی معروف نظم"ابلیس کی مجلسِ شوریٰ"کا فکری تجزیہ بھی نہایت اہم ہے۔ اس نظم میں موجود اپنے مشیران کے لیے ابلیس کی نصیحتیں دراصل وہ اعمالِ قبیحہ ہیں جو بطورِ خاص مسلمانوں کے لیے سمِ قاتل اور ابلیسی نظام کے لیے مفید ثابت ہو سکتی ہیں۔ ابلیس اپنے مشیروں کو ایسے فکر وعمل کی ترویج پر اُکسا رہا ہے جس کے بعد یہ غلام قوم قیامت تک غلام رہ سکتی ہے یا وہ سب اعمال اس قوم کی عملی موت کا سبب بن سکتے ہیں:

خیر اسی میں ہے قیامت تک رہے مومن غلام
چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہانِ بے ثبات
تم اسے بیگانہ رکھو عالمِ کردار سے [۱۹]
تا بساطِ زندگی میں اس کے سب مہرے ہوں مات

اقبال کی نظر میں علم، عمل اور کردار سے بیگانگی کا رویہ دراصل وہ بنیادی کوتاہی ہے جس کے سبب سے آج کی دنیا میں افراد اور قومیں دوسروں کی غلامی پر مجبور ہیں۔ بہ آسانی کہا جا سکتا ہے کہ زندگی سے متعلق اِن تمام متحرک رویّوں کا شعوراور اِن سے رغبت ہی وہ تحریک ہے جسے آج کی تمام تر ترقی کی بنیاد مان کر مکمل طور پر ایک آفاقی تصور قرار دیا جا سکتا ہے۔

اقبالؒ انسان دوست ہیں، محبت پسند ہیں، عمل و محنت کے مدرس ہیں، عشق کوش ہیں، مشتاقِ خروش ہیں، دلوں کو مرکزِمہر وفا بنانا چاہتے ہیں، مردہ دلی سے بچنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ کون سا آفاقی نظریہ ہے جو اقبال کے ہاں موجود نہیں۔

تو رہ شناس نہ ای وز مقام بے خبری
چہ نغمہ ایست کہ در بربطِ سُلیمیٰ نیست [۲۰]

حوالہ جات

۱۔ تحسین فراقی، ڈاکٹر، اقبال۔ دیدۂ بینائے قوم، پورب اکیڈمی، اسلام آباد، ۲۰۱۵ء، ص: ۲۶
۲۔ اقبال، ڈاکٹر علامہ محمد، کلیات اقبال ، اُردو، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ۱۹۸۶ء، ص: ۷۵
۳۔ اقبال، ڈاکٹر علامہ محمد، کلیات اقبال(اُردو)، ص: ۳۱
۴۔ ایضاً، ص: ۳۵
۵۔ ایضاً ، ص: ۳۴
۶۔ ایضاً ، ص: ۸۸
۷۔ ایضاً ، ص: ۱۱۱
۸۔ ایضاً ، ص: ۴۷

۹۔ اقبال، ڈاکٹر علامہ محمد، کلیات اقبال(فارسی)، نظم“فصلِ بہار“مشمولہ “پیامِ مشرق”، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ۱۹۷۸ء،ص:۲۶۲۔۲۶۱

۱۰۔ اقبال، ڈاکٹر علامہ محمد، کلیات اقبال ،اُردو،ص: ۲۵۱

۱۱۔ اقبال، ڈاکٹر علامہ محمد، کلیات اقبال(اُردو)، نظم“والدہ مرحومہ کی یاد میں”مشمولہ “بانگِ درا”،ص: ۲۲۸

۱۲۔ ایضاً، ص: ۲۳۰

۱۳۔ اقبال، ڈاکٹر علامہ محمد، کلیات اقبال(فارسی)،رباعی مشمولہ “پیامِ مشرق”،ص:۲۰۷

۱۴۔ ایضاً، ص:۲۲۵

۱۵۔ اقبال، ڈاکٹر علامہ محمد، کلیات اقبال(فارسی)، “بہ خوانندۂ کتابِ زبور”مشمولہ “زبورِ عجم”،ص: ۳۵۲

۱۶۔ اقبال، ڈاکٹر علامہ محمد، کلیات اقبال(اُردو)، نظم“شمع اور شاعر”مشمولہ“بانگِ درا”،ص: ۱۹۰

۱۷۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اقبال اور ہمارے فکری رویّے، سنگِ میل پبلی کیشنز، سنہِ اشاعت ۲۰۰۲ء، ص: ۱۲۹

۱۸۔ اقبال، ڈاکٹر علامہ محمد، کلیات اقبال(فارسی)، ”ابدالی” مشمولہ “جاوید نامہ”،ص: ۷۶۶

۱۹۔ اقبال، ڈاکٹر علامہ محمد، کلیات اقبال(اُردو)، نظم”ابلیس کی مجلسِ شوریٰ”مشمولہ“ارمغانِ حجاز”،ص:۶۵۶

۲۰۔ اقبال، ڈاکٹر علامہ محمد، کلیات اقبال(فارسی)، غزل مشمولہ“پیامِ مشرق”،ص: ۳۲۹